"آیہ نفر" تحقیق کے آئینے میں

آخری قسط

علی نصیری
مترجم: محمد حسنین نادر

پہلی قسط میں ہم نے "آیۃ نفر" کی ہونے والی مختلف قسم کی تفاسیر پیش کیں اور ثابت کیا کہ علامہ طباطبائی نے جو تفسیر کی ہے فقط وہ قابل قبول ہے۔ اس قسط میں ان چند اہم نکات کا ذکر کرتے ہیں جن کا "آیۃ نفر" سے استفادہ ہوتا ہے۔

ا۔ دینی معارف اور احکام کے حوالے سے تحقیق ایک لازمی امر ہے۔

پہلی ہی نظر میں آیہ نفر جس اساسی ترین نکتہ پر تصریح کرتی ہے وہ "دین کے بارے میں تحقیق کی ضرورت ہے۔ یہ مطلب "لو لا" (تحضیضیہ) سے قابل استفادہ ہے۔ (۲۸)۔ "دین" ایک ایسا کلمہ ہے کہ جس کی ہر شخص نے اپنے ہی نقطہ نظر سے تعریف کی ہے اور یوں اس کا مفہوم بہت زیادہ شدت و ضعف کا شکار ہوا ہے۔ بہرحال ان سب تعریفوں میں قدر مشترک' دین کو اخلاقی اور فردی مسائل میں محدود کرنا ہے۔

رابرٹ اے ہیوم دین کی یوں تعریف کرتا ہے:

انسانی تجربات' افکار' احساسات اور فعالیت کا وہ پہلو کہ جس کے ذریعے انسان کوشش کرتا ہے کہ اس وجود کے ساتھ مربوط رہے کہ جسے وہ خود مقدس سمجھتا ہے' (یعنی وہ عظیم اور لامتناہی قدرت کہ جو کائنات کو کنٹرول کرتی ہے۔) (۲۹)

بعض لوگوں نے دین کی تعریف اس طرح کی ہے:

دین ان عمیق تجرباتی ابعاد کے محور پر زندگی کی تنظیم کا نام ہے کہ جو معاشرتی ثقافت کے مطابق، شکل و صورت، کمال اور وضاحت میں مختلف ہوتے ہیں۔ (۳۰)

ان دونوں تعریفوں میں دین کو ان فردی تجربات اور کوششوں کے حصار میں بند کر دیا گیا ہے کہ جو عالم کائنات پر مسلط قدرت کی رضایت کے حصول کے لئے انجام دی جاتی ہیں۔ دراصل دین کے بارے میں اس قسم کے طرز تفکر کی بنیاد، موجودہ ادیان کی ناروا اور سراسر غلط تعالیم سے دین کا مفہوم اخذ کرنے کی کوششیں ہیں۔ (لیکن اگر قرآن کی طرف رجوع کیا جائے تو) قرآن دین کو محض چند ضروری مسائل، تجربات اور اخلاقی اقدار سے بہت ہی بلند و بالا مقام عطا کرتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں دین ایک بہت ہی وسیع مفہوم کا نام ہے کہ جو ایک طرف عالم کائنات کے تمام ابعاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی ایک جامع تفسیر بیان کرتا ہے اور دوسری طرف (اس عالم کائنات کے عظیم ترین شاہکار) انسان کی حقیقت کو بھی آشکار کرتا ہے اور جس قدر انسان کی فردی تربیت پر توجہ دیتا ہے اس کے اجتماعی پہلو کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے ایک ہمہ جانبہ نظام پیش کرتا ہے۔ پس قرآن کی نگاہ میں دین ایک ایسا نظام ہے کہ جو نہ فقط تفصیلی طور پر انسان کے اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کی وضاحت کرئے بلکہ فردی حوالے سے بھی اس کے خدا اور معاشرے کے ساتھ ارتباط کا مکمل نقشہ پیش کرے۔

پس اگر دین اس قدر وسیع مفہوم ہے تو پھر ایک دین دار کے لئے دین کی سوجھ بوجھ ایک لازمی اور ضروری امر ہونا چاہیے بالخصوص جبکہ اکثر دینی احکام کتاب و سنت میں پراکندہ اور منتشر ہیں اور فردی اور اجتماعی تقاضوں کے مطابق ان احکام کی تشریح فقط ہمہ جانبہ دینی تحقیق کے بعد ہی ممکن ہے۔

۲۔ دینی فہم و ادراک ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کا محتاج ہے

بعض لوگ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ہر کس و ناکس دین کو بڑی آسانی کے ساتھ (اور چند ایک دینی کتابوں کے مطالعہ کے ذریعے بجا طور پر) سمجھ سکتا ہے۔ (اور پھر مختلف امور میں اپنی رائے کو دین کی رائے کے طور پر پیش کر سکتا ہے) ان لوگوں کی نگاہ میں اکنامکس، سوشیالوجی اور نفسیات وغیرہ میں تو فقط وہ شخص ایک اقتصادی، معاشرتی یا نفسیاتی نظریہ پیش کر سکتا ہے کہ جس نے پرائمری سکول سے لے کر یونیورسٹی تک کا طویل علمی سفر طے کیا ہو اور ایسے مضامین میں پی۔ایچ۔ڈی کی ہو لیکن دینی حوالے سے ہر وہ شخص ایک عالم دین اور دین شناس ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس فقط سطحی اور عمومی دینی معلومات ہوں اور تھوڑی بہت عربی جاننے کے بعد ہر شخص شریعت اسلام کے منابع (قرآن و سنت) سے احکام کا استنباط کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ چند روزہ دینی مطالعہ کے بعد (عالم دین کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں) اور دین کے مفاہیم کی الٹی سیدھی تفسیر و تصویر پیش کرتے ہیں اور بغیر کسی

رنج اٹھائے یا بغیر کسی قابل ذکر استاد کی شاگردی اپنائے قرآن کے مفسر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، کلام اللہ کی معنوی تحریف کرتے ہیں اور تفسیر کے نام پر اس کی نشر و اشاعت کرتے ہیں۔ (۳۱)

یقیناً" ایسے لوگ پیامبر اکرم ﷺ کی ان احادیث کے مصداق ہیں جس میں آپ نے فرمایا۔

مَا آمَنَ بِی مَنْ فَسَّرَ کَلَامِی بِرَایِہِ

"جس نے میری حدیثوں کی اپنی رائے کے مطابق تفسیر کی گویا وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا" (۳۲)

قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنے والے کے متعلق فرمایا:

مَنْ تَکَلَّمَ فِی الْقُرآنِ بِرَایِہِ فَلْیَتَبَوَّأ مَقْعَدَہُ مِنَ النَّارِ

اور جس نے قرآن کی اپنی رائے کے مطابق تفسیر کی گویا اس نے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنایا۔ (۳۳)

آیہ نفر جہاں دین کی سوجھ بوجھ کو ایک لازمی امر ٹھہراتی ہے وہاں اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ دین شناسی اور دینی معرفت کا تفصیلی و حقیقی معنی میں حصول ہر ایک کے بس کا روگ بھی نہیں ہے بلکہ ایک باصلاحیت انسان کو سالہا سال تعلیم و تہذیب میں عمر صرف کرنا پڑتی ہے اور علمی مراکز میں کئی علمی مراحل طے کرنا پڑتے ہیں تب جا کر ایسا شخص دین کی معرفت رکھنے اور دینی احکام کا ماہر ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ نیز فقط علمی جدوجہد اور درس و تدریس بھی کافی نہیں ہے بلکہ حقیقی طور پر دینی معارف کے حصول کے لئے تہذیب نفس اور باطنی پاکیزگی بھی لازمی ہے۔ "قد افلح من ذکّھا"

مدعی خواست کہ آید بہ تماشا گہ راز
دست غیب آمد و برسینہ نا محرم زد ☆

۳۔ دینی تحقیقی مراکز کا قیام

آیہ نفر کے ذیل میں بیان کی جانے والی تفسیری بحثوں سے واضح ہو چکا ہے کہ دوسرے جملے میں "نفر" کا معنی مومنین کا حصول علم دین کے لئے مدینہ کی طرف مسافرت کرنا ہے۔ اس سے یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ علم و دانش کے حصول کے لئے کسی بھی ایسے مرکز کی طرف کوچ کرنا لازمی ہے کہ جہاں ایسے صاحبان علم و حکمت موجود ہوں کہ جن کا وجود علم کے نور سے منور ہو اور وہ ہدایت کے نور کو پوری دنیا میں پھیلا رہے ہوں۔ بلا شک و شبہ آیہ نفر دینی تحقیقی مراکز کے قیام کی بنیاد فراہم کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام کے ابتدائی ادوار میں ہمیں اہم اسلامی شہروں جیسے مدینہ، مکہ، بصرہ، شام اور کوفہ وغیرہ میں فقہ، حدیث، صرف و نحو، کلام اور دیگر علوم کے مدارس و مراکز نظر آتے ہیں۔ ان علمی مراکز کا سلسلہ بھی اسلام کی جغرافیائی وسعت کے ساتھ ساتھ مصر کی سرحد سے لیکر خراسان، اندلس اور دیگر تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ نیز آیہ مبارکہ کی علمی مراکز کے قیام پر تاکید یقیناً" ان مراکز سے مربوط درج ذیل امور پر بھی تاکید کے مترادف ہے۔

الف۔منصوبہ بندی

دین سے محبت و لگاؤ رکھنے والوں کی ایک کثیر تعداد اس جذبے کے تحت علمی مراکز کا رخ کرتی ہے کہ دین سیکھ سکے اور مخلوق خدا کی راہنمائی کر سکے' لہٰذا ان مراکز کا فرض بنتا ہے کہ مناسب وقت میں ایک فقیہ اور معلم شریعت بنا کر نیز اخلاقی اقدار کے زیور پہنا کر انہیں وطن واپس بھیجیں (تاکہ وہ لوگ اپنی قوم کو انذار کر سکیں)

یقیناً" ان اہداف کا حصول ایک مناسب منصوبہ بندی کے بغیر ناممکن ہے۔ دقیق منصوبہ بندی کا فقدان عظیم انسانی سرمائے کے ضیاع' جمود کی فضا کی حاکمیت' صلاحیتوں اور جذبوں کے ماند پڑ جانے اور عمر کے برباد ہونے اور پیکر دین پر ناقابل جبران خسارت وارد کرنے کا سبب بنتا ہے۔

ب۔ مدیریت

علمی پروگراموں کا اجراء اگر کسی لائق اور تجربہ کار منتظم کے ہاتھ میں نہ ہو تو پروگرام جامعیت کے باوجود بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ ایک تجربہ کار اور لائق منتظم ہی جدید ترین انتظامی طور طریقوں سے صحیح راستے کا انتخاب کر کے محققین اور زیر نظر افراد کو بلند اہداف کی جانب لے جا سکتا ہے۔

اگر علمی مراکز کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وقت کے تقاضوں سے آگاہ' عظیم منتظمین نے ہی علمی حوزوں اور مراکز میں بہترین تبدیلیاں کی ہیں اور ان کی کامیاب نظارت کی وجہ سے علمی مراکز سے گرانقدر علمی شخصیات پیدا ہوئی ہیں اور انہوں نے ان علمی مراکز کو سربلندی اور افتخار بخشا ہے۔ (۳۴)

ج۔ مالی ضروریات کو پورا کرنا

اپنی منصوبہ بندی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نیز علم دوستوں کی ہدایت کے لئے علمی مراکز کو لازمی طور پر مالی حوالے سے خود کفیل ہونا چاہیے کیونکہ مالی پشت پناہی کے بغیر علمی حیات دم توڑ دیتی ہے۔ یہ مسئلہ پیامبر اکرم ﷺ کے دور میں انفال' خمس اور غنائم وغیرہ سے حل کیا جاتا تھا۔ اور یہی ایک ایسا بہترین منصوبہ ہے کہ جس کے ذریعے مدارس' علمی مراکز کی اقتصادی ضروریات آغاز سے لیکر اب تک پوری کی جاتی رہی ہیں اور یہی آمدنی کا وہ منبع ہے کہ جو اسلام نے علمائے دین کے لئے معین فرمایا ہے تاکہ نہ تو وہ حکومتوں سے وابستہ ہوں اور نہ ہی مستقیما لوگوں کے دست نگر۔

۴۔ حصول علم کی جغرافیائی تقسیم

آیہ مبارکہ نفر جہاں دین کی معرفت کے حصول کو واجب کفائی قرار دیتی ہے۔ وہاں مومنین سے تقاضا

کرتی ہے کہ وہ کچھ اس انذار سے حصول علم کے درپے ہوں کہ ہر قبیلے' محلے اور علاقے سے کچھ افراد لازمی طور پر علمی مراکز میں حاضر ہونے چاہئیں۔ دراصل اس حکم کا ہدف یہ ہے کہ عقائد اسلام کے دفاع اور دین میں تفقہ اور گہری سمجھ بوجھ کا احساس عمومیت پائے اور ایک خاص طبقے میں منحصر ہو کر نہ رہ جائے۔ نیز یہ کہ اس طرح ہر قوم قبیلے کے درمیان تبلیغ دین کے مواقع میسر آئیں۔ دراصل یہ آیہ مبارکہ بڑے اور مہم کاموں میں عمومی شرکت کے اصول کو ثابت کرتی ہے۔

۵- دین میں تفقہ کا مطلب

تفقہ کا مادہ "فقہ" سے ہے جس کا معنی' فہم و ادراک ہوتا ہے البتہ اس تفاوت کے ساتھ کہ وہ فہم و فراست جو بڑی محنت و زحمت اور مشکلات برداشت کر کے حاصل ہوئی ہو اور یہ معنی "زیادہ المبانی تدل علی زیادة المعانی" (مبانی کی زیادتی معانی کی کثرت پر دلالت کرتی ہے) کے اصول پر استوار ہے۔ (۳۵)

قوی احتمال یہ ہے کہ "فقہ و فقاہت" کی اصطلاح اپنے ابتدائی استعمال میں اپنے لغوی معنی ہی میں استعمال ہوئی ہے اور "فقیہ" کا اطلاق اس شخص پر کیا جاتا جو دین کے تمام ابعاد اور پہلوؤں سے آگاہ ہوتا لیکن علوم کی وسعت اور طبقہ بندی کے بعد "فقہ" کی اصطلاح اصول سے فروع کے استخراج اور استنباط (فقہ مروجہ اصطلاحی معنوں میں) نیز اس کے مقدمات' اصول فقہ' کے ساتھ مخصوص ہو گئی۔ حدیث شریف ہے:

مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِی اَرْبَعِینَ حَدِیْثًا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیهًا عَالِمًا

جس نے میری امت کے فائدے کے لئے چالیس حدیثیں حفظ کیں اللہ تعالی اسے فقیہ و عالم محشور فرمائے گا۔

علامہ شیخ بھائی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں' اس حدیث میں فقہ کا معنی تفصیلی دلائل کے ذریعے سے شرعی احکام کا استنباط کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ معنی بعد میں حادث ہوا اور آخری زمانے سے مربوط ہے۔ بلکہ فقہ سے مراد دین میں بصیرت و آگاہی رکھنا ہے۔ (۳۶)

"آیہ نفر" سے یہی استفادہ ہوتا ہے کہ فقہ کا معنی وہی عام معنی ہے۔ نہ کہ ذکر خاص (یعنی مروجہ اصطلاحی معنی) یہ بات تسلیم کرنا چاہیے کہ آخری ادوار میں علمی مراکز کا فقط فقہ اور اصول پر قانع ہو جانا اور فقہ اور اصول کا علم رکھنے والوں پر "فقیہ" کی اصطلاح کا اطلاق کوئی معقول بات نہیں ہے کیونکہ اس کا ایک غلط نتیجہ یہ ہے کہ دیگر تمام اسلامی علوم کو پس پشت ڈال دیا جائے اور دینی معرفت اور اسلامی فقہ کے پیکر سے انہیں جدا کر دیا جائے۔ اسلامی فقہ ایک ایسا عظیم پیکر ہے کہ جس کے تمام اجزاء ایک زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہیں۔ لہٰذا دین کے ایک خاص حصہ پر تمام تر توجہ مرکوز کر

دینا اور اس کے دیگر حصوں کو نظر انداز کر دینا دین کی نامکمل تصویر پیش کرنے کا سبب بنتا ہے۔ آیا واقعی طور پر فقط رائج فقہ و اصول ہی کے ذریعے اہل جہان کی تمام ضروریات کو پورا کیا جا سکتا ہے؟ آیا دین کے مخالف گروہوں کے مسلسل فکری حملات کا مقابلہ فلسفہ اور کلام پڑھے بغیر کیا جا سکتا ہے؟ آیا فقط فقہ اور اصول کے ذریعے دین اسلام کے اصل منبع یعنی قرآن کو سمجھا جا سکتا ہے؟

اس مطلب کے مدنظر کہ قرآن میں تفقہ اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تفسیر المیزان کے گرانقدر مولف علامہ طباطبائی فرماتے ہیں:

"تفقہ سے مراد دین کے تمام معارف کا (خواہ اصول دین سے ہوں یا فروع دین سے) حصول ہے نہ فقط عملی احکام کی معرفت کہ جو مروجہ فقہ (اصطلاحی فقہ) کا موضوع ہے۔ اس بات پر آیہ مبارکہ کا یہ جملہ "ولینذروا قومھم" دلیل ہے کیونکہ دین کے تمام پہلوؤں کی فہم و فراست کے بعد ہی انذار ممکن ہے نہ کہ فقط اس کے کسی خاص پہلو (احکام) کی معرفت سے۔(۳۷)

۶۔ تفقہ وسیلہ نہ ہدف

یہاں ایک نکتہ قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ فقاہت کے مقام تک پہنچنا قرآن کے نزدیک آخری ہدف نہیں ہے بلکہ مخلوق کی خداوند عالم کی طرف راہنمائی کرنے اور ہدایت کا مقدمہ ہے۔ چنانچہ علمی مراکز کا نصب العین مخلوق کی راہنمائی ہونا چاہیے اور علماء اسلام کو ہمیشہ اس آخری ہدف کی طرف گامزن رہنا چاہیے۔ وہ لوگ جو علمی مراکز کو اپنا ہمیشہ کا وطن سمجھتے ہیں ایک کج فہمی کا شکار ہیں اور انہوں نے انذار کی مسئولیت کو بھلا دیا ہے۔ علمی مراکز کا فرض بنتا ہے کہ وہ ایسی منصوبہ بندی کریں کہ کم وقت میں ایک طالبعلم دین کے اصلی معارف کو حاصل کر کے عوام کی ہدایت کے لئے اپنے علاقے میں لوٹ جائے۔ آیہ مبارکہ میں انذار پر تاکید، منصوبہ بندی، مدیریت اور وسائل کی فراہمی پر التزامی دلالت کرتی ہے اور ان مقدمات کا حصول ہمارے لئے لازمی قرار دیتی ہے۔

۷۔ طالب علم پر بعض اجتماعی ذمہ داریوں کا عائد نہ ہونا

بیان کیا جا چکا ہے کہ آیہ نفر، آیہ اجتہاد کے ضمن میں نازل ہوئی ہے اور یہ واضح کرتی ہے کہ غیر ضروری موارد میں دین کی معرفت کے حصول کے متقاضیوں کا میدان جنگ کی طرف جانا ضروری نہیں ہے۔ مرحوم علامہ طباطبائی نے اس مطلب کا ذکر آیہ مبارکہ سے ماخوذہ مطالب میں دوسرے نمبر پر کیا ہے۔ اس مطلب سے چند دیگر نتائج بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں مثلاً" ایک یہ کہ ایک دینی طالب علم کے لئے کسی بھی ایسے کام میں مشغول ہونا جائز نہیں ہے کہ جو اس کی تعلیم میں مزاحمت کا سبب بنے خواہ وہ کام انفرادی ہو یا اجتماعی، کیونکہ کوئی کام بھی جہاد کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا اور جب آیہ شریفہ جہاد

کے لزوم کو بھی طالب علم کی نسبت کالعدم قرار دے رہی ہے تو اس سے کم اہمیت کے امور میں مشغول ہونا بدرجہ اولیٰ شائستہ نہیں ہو گا۔ نیز بعض معاشرتی ذمہ داریاں بھی طالب علم پر عائد نہیں ہوتیں کیونکہ طالب علم کے لئے علم و دانش کا حصول ان معاشرتی ذمہ داریوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ شیخ محمد عبدہ نے اس حوالے سے ایک قابل ذکر واقعہ نقل کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: "میں طرابلس میں حصول علم میں مشغول تھا۔ ایک دن طرابلس کا گورنر (جو کہ خود بھی کافی حد تک دینی امور سے آگاہ تھا)' نے مجھ سے پوچھا کہ حکومت علماء اور دینی علوم کے طلباء سے سربازی (فوجی خدمت) کا کام کیوں نہیں لیتی؟ حالانکہ یہ مقدس فرض' شریعت میں سب پر واجب ہے۔ پس دینی علوم کے طلباء کے لئے یہ کام سر انجام دینا تو زیادہ مناسب ہے۔ آیا حکومت کا یہ اقدام غلط نہیں ہے؟ میں نے فوراً" آیہ مبارکہ (نفر) کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب دیا کہ ایسا نہ کرنے کی وجہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ جہاں قرآن بیان فرماتا ہے کہ کچھ لوگوں کو جہاد کرنا چاہیے اور کچھ کو دین کا علم حاصل کرنا چاہیے۔ گورنر میرے اس جواب سے بہت محظوظ ہوا' بالخصوص اس بات سے کہ ایسا جواب اسے مجھ جیسے ابتدائی درجے کے طالبعلم کی زبان سے ملا۔ (۳۸)

۸۔ انذار یعنی علم و عمل کی ہم آہنگی کا مقام

ابتدائی مرحلے میں تو ایسا لگتا ہے کہ اگر کوئی شخص فقاہت کے مقام تک پہنچ جائے اور دین میں آگاہی حاصل کر لے تو اس کا فرض بنتا ہے کہ اپنے علم کو منتشر کرے حالانکہ آیہ مبارکہ میں ایسے شخص سے جس امر کا تقاضا کیا گیا ہے وہ لوگوں کو خداوند عالم کی نافرمانی سے ڈرانا ہے۔ اگرچہ انذار' دین کی شناخت اور معرفت پر مبنی ہے تاہم یقینی طور پر آیہ مبارکہ کا مقصود علوم دینی کو پھیلانا ہی نہیں بلکہ مخلوق کو خالق کی نافرمانی اور معصیت سے ڈرانا ہے یعنی لوگوں کو تاریکیوں اور جہالتوں سے نکال کر نور ہدایت کی راہ پر گامزن کرنا ہے اور یہ وہی کام ہے جو انبیاء علیہم السلام نے انجام دیا۔ باالفاظ دیگر قرآن علمی مراکز اور مدارس سے کہہ رہا ہے کہ تمہارا کام انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔ انبیاء لوگوں کو ڈراتے تھے اور امید کا راستہ دکھاتے تھے۔ لیکن یہاں پر جو نکتہ قابل ذکر ہے وہ یہ کہ انبیاء علم سے پہلے عمل کے ذریعے لوگوں کو راہنمائی فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ایک دینی دانشور سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ دینی معارف کے حصول کے ساتھ جو کہ جو فضائل سے عشق اور رذائل سے نفرت کے مترادف ہیں۔ اپنے آپ کو الٰہی صفات سے متصف کرتے ہوئے لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے آمادہ کرے۔ حضرت علی علیہ السلام کے اس حوالے سے دو خوبصورت جملے پڑھنے کے لائق ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

مَنْ نَصَبَ نَفْسَهُ لِلنَّاسِ اِمَاماً فَلْيَبْدَأْ بِتَعْلِيمِ نَفْسِهِ قَبْلَ تَعْلِيمِ غَيْرِهِ وَ لْيَكُنْ

تَادِیبُہٗ بِسِیرَتِہٖ قَبْلَ تَادِیبِہٖ بِلِسَانِہٖ

"جس نے اپنے آپ کو لوگوں کے راہنما اور قائد کے طور پر پیش کیا اسے چاہیے کہ دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے خود تعلیم حاصل کرے اور اسے لوگوں کو اپنی زبان کے ذریعے ادب سکھانے سے پہلے انہیں اپنے کردار سے تہذیب سکھانا چاہیے" (۳۹)۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَحُثُّکُمْ عَلٰی طَاعَۃٍ اِلَّا وَ اَسْبِقُکُمْ اِلَیْھَا وَ لَا اَنْھَاکُمْ عَنْ مَعْصِیَۃٍ اِلَّا وَ اَتَنَاھٰی قَبْلَکُمْ عَنْھَا

"اے لوگو اللہ کی قسم میں آپ کو کسی اطاعت کی ترغیب نہیں دیتا مگر یہ کہ تم سے پہلے میں خود اسے انجام دوں اور تمہیں کسی گناہ سے نہیں روکتا مگر یہ کہ تم سے پہلے میں خود اس سے رک نہ جاؤں" (۴۰)

۹۔ عوام شناسی

قرآن کریم اس بات پر تاکید کرتے ہوئے کہ دین کے احکام سے آگاہ اور صاحب بصیرت افراد کو اپنی قوم اور اپنے علاقے میں جا کر انذار کرنا چاہیے' در اصل اس مطلب کی طرف متوجہ فرماتا ہے کہ دین کی تبلیغ و ترویج کی ایک انتہائی ضروری شرط یہ ہے کہ مبلغ لوگوں کی نفسیات' مزاج اور ان کے مسائل سے آگاہ ہو۔ در اصل ایک عالم دین کی مثال ایک درد آشنا ڈاکٹر کی سی ہے کہ جو (علاج سے پہلے مریض کی مرض اور اس کے درد سے آگاہی حاصل کرتا ہے)۔ ایک عالم دین بھی اگر قریب سے لوگوں کے نقائص اور ان کی کج رویوں سے آگاہ ہو اور علاقائی اور معاشرتی ماحول سے واقفیت رکھتا ہو تو پھر اس کی بات لوگوں پر زیادہ اثر کرتی ہے اور وہ زیادہ آسانی کے ساتھ ان کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ اس بنیادی شرط کی طرف آیہ مبارکہ میں اشارہ ہے:

بعث فی الامیین رسولاً منھم

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود ان کی قوم میں سے مبعوث کیا گیا۔ (۴۱)

۱۰ علماء ربانی کا عوام پر حق

قرآن عالم کے مقام و منزلت کی ستائش کرتے ہوئے لوگوں سے تقاضا کرتا ہے کہ ان کی عزت و توقیر کریں۔ ان کے فرامین کو دل لگا کر سنیں اور عمل کریں تاکہ ابدی سعادت حاصل کر سکیں۔ کیونکہ علمائے دین کی راہبری کے بغیر کمال تک رسائی ناممکن ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ

(ہاں) حقیقت یہی ہے کہ خدا کے بندوں میں صرف علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے

شک اللہ عزیز و غفور (بخشنے والا) ہے۔ (۴۲)

طے این مرحلہ بی همرهی خضر مکن ظلمات است بترس از خطر گمراہی

اس خطرناک منزل کو کسی خضر کی راہنمائی کے بغیر مت عبور کر۔ تاریکیاں بہت زیادہ ہیں اور گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

***

حوالہ جات

۲۸۔ روح المعانی، ج۱۱، ص ۴۸
۲۹۔ ادیان زندہ دنیا، عبدالرحیم، ص ۱۸
۳۰۔ دین پژوھی، ص ۹۳
۳۱۔ تفصیل کیلئے کتاب نقش آئمہ در احیاء دین
۳۲۔ بحارالانوار، ج ۹۲، ص ۱۰۷
۳۳۔ جامع البیان، طبری ج۱، ص ۲۷
۳۴۔ تفصیل کیلئے، سازمان روحانیت، استاد مطہری
۳۵۔ التمھید، ج ۵، ص ۴۴
۳۶۔ الاربعین، ص ۱۰، حدیث اول
۳۷۔ المیزان، ج ۹، ص ۴۰۴
۳۸۔ المنار ج۱۱، ص ۷۸، نقل از تفسیر نمونہ ج۸، ص ۱۹۵
۳۹۔ حکمت نہج البلاغہ ۷۳
۴۰۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۵
۴۱۔ الجمعہ ۲
۴۲۔ فاطر، ۲۸

☆ یہ شعر در اصل عشق و عقل کی عرفانی جولان گاہوں کا بیان ہے اور اس مطلب پر دلالت کرتا ہے کہ بعض معارف الٰہی کو عقل کے ذریعے نہیں بلکہ عشق کے ذریعے ہی درک کیا جا سکتا ہے کیونکہ عقل کی رسائی وہاں تک نہیں جہاں تک عشق کی رسائی ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشا لب بام ابھی

پس بعض معارف الٰہی عشق الٰہی کے ذریعے قابل درک ہیں جبکہ یہ عشق الٰہی، تہذیب نفس ہی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۶۹)

قرآن سے شغف رکھنے والوں کے لئے اہم اطلاع

کمپیوٹر CD "ھدیٰ" نہایت ارزاں قیمت پر منظر عام پر آ گئی ہے۔ جس میں مکمل تلاوت اور عربی متن کے علاوہ انگریزی ترجمہ بھی موجود ہیں۔ اس CD کی مدد سے قرآنی الفاظ و موضوعات کو بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ حصول اور مزید معلومات کے لئے رجوع کریں:

۱) اخوت ٹرسٹ فورتھ فلور، ATS سینٹر، فضل حق روڈ بلیو ایریا۔ اسلام آباد
فون: 201340, 815457 فیکس: 201159

2) قرآن فاؤنڈیشن۔ پی۔ او بکس 13738 کراچی